مذہبی رواداری کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک تحقیقی جائزہ

* محمود سلطان

**بشیر احمد رند

Abstract

For the prosperity of a nation interior tolerance, peace and national stability, ethical and spiritual development is very necessary. There must be relationship of sympathy, courtesy, magnanimous among people of various religions. Similarly, on international level peace, tolerance, stability and religious harmony is of great need. In this world where people are living with various religions their religious harmony is very important. Now this world has become a global village. So problem of one country is not only its own problem but the problem of whole humanity. Therefore, international harmony, peace and tolerance are need of time. This paper highlights the Islamic education of compassion and tolerance. It analyses the Seerat of Holy Prophet and Khulafa -e- Rashidin with reference to tolerance and harmony.

Keywords: Religious Tolerance, Religious Harmony, Islamic History

کسی بھی ملک یا قوم میں داخلی امن وامان، ملکی استحکام، مادی، اخلاقی اور روحانی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ اس ملک کے مختلف مذاہب و مسالک سے وابستہ افراد کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ روادارانہ اور فراخدلانہ تعلق ہو، اسی طرح بین الاقوامی امن وامان اور سلامتی واستحکام کے فروغ میں بھی رواداری اور فراخدلی پر مبنی برتاؤ ہونا ضروری ہے، بالعموم ہر ملک میں اور بالخصوص ان تمام ممالک میں جہاں مختلف مذاہب و مسالک سے وابستہ افراد بستے ہیں رواداری کی سخت ضرورت ہے اور چونکہ آج دنیا عالمی گاؤں (Global Village) کی شکل اختیار کر چکی ہے اس لیے اب ایک ملک کے باشندوں کا مسئلہ صرف ان کا مسئلہ نہیں رہتا بلکہ پوری انسانیت کا عالمی مسئلہ

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

**ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ ثقافتِ اسلامیہ، سندھ یونیورسٹی، جامشورو

بن جاتا ہے لہٰذا آج کے دور میں بین الاقوامی امن وامان، سلامتی واستحکام اور بقائے باہمی کے لئے مذہبی رواداری اورفراخدلی کے فروغ کی اشدضرورت ہے۔

اس مقالہ میں اسلام کی روادارانہ تعلیمات اور پیغمبرِ اسلام حضرت محمد ﷺ کی عملی سیرت اوراور آپ کے جانشین خلفاءِ راشدین کی سیرت کے روادارانہ پہلوؤں پر تحقیقی مطالعہ اور تجزیہ کیا گیا ہے۔

رواداری کا تعارف:

رواداری فارسی زبان کا لفظ ہے، جسے عربی میں مدارات کہتے ہیں اس کے لفظی معنی جائز رکھنا، لحاظ رکھنا، منظور کرنا، لوگوں کے ساتھ تحمل مزاجی نرمی اور حسنِ سلوک سے پیش آنا وغیرہ کے ہیں۔(۱) اوراس سے مراد اپنے مزاج کے خلاف دوسروں کے عقائد، سوچ، فکر اور نظریہ کو صبر وتحمل کے ساتھ برداشت کرنا اوران کے ساتھ نرمی اور حسنِ سلوک سے پیش آنا اوران کے علمی اور معاشرتی مقام کے مطابق ان سے رویہ رکھنا اورانہیں ان کی سوچ و عقیدہ کے مطابق زندگی گزارنے کا حق دینا ہے(۲) مثلاً اگر کوئی شخص یا گروہ آپ کے عقیدہ یا مسلک کے برعکس کوئی دوسرا عقیدہ یا مسلک رکھتا ہے تو اس کی بات کو سننا اور اسے اپنے عقیدہ اور مسلک کے مطابق قائم رہنے کا حق دینا رواداری کہلاتا ہے لیکن اس کے برخلاف کسی دوسرے عقیدہ یا مسلک والے سے طاقت کے زور پر اپنا عقیدہ یا مسلک منوانا یا اس کو اپنے عقیدہ اور مسلک کے مطابق عمل کرنے، تعلیم دینے یا تبلیغ کرنے سے روکنا رواداری کے خلاف ہے اسی طرح عقیدہ یا مسلکی اختلاف کی بناء پر کسی کے ساتھ معاشرتی، معاشی، سیاسی یا عدالتی حوالے سے غیر مساویانہ رویہ رکھنا بھی رواداری کے برعکس ہے۔

اس حوالے سے جب اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نہ صرف رواداری کا روادار ہے بلکہ اس کا بانی اور علمبردار بھی ہے۔ اسلام ہی وہ دین ہے جس نے سب سے پہلے عملی طور پر رواداری کا علم بلند کیا اور مذہبی ومسلکی تنگ نظری وتنگ دلی کے خاتمے کا اعلان کیا یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی تعلیمات میں ہر شخص کو اپنے عقیدہ، مسلک، سوچ اور فکر کے مطابق زندگی گزارنے کا حق دیتا ہے اور کسی بھی فرد یا ریاست کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ کسی دوسرے عقیدہ یا مسلک والے کو جبری طور پر اپنے عقیدہ اور مسلک میں داخل کرے یا اس کے دینی معاملات میں مداخلت کرے یا اسے اپنے عقیدہ اور مسلک کے مطابق عمل کرنے یا پرچار کرنے سے روکے۔

رواداری قرآنی آیات کی روشنی میں:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''لَآ اِکۡرَاهَ فِی الدِّیۡنِ قَدۡ تَّبَیَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَیِّ'' (۳)

''دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں ہے، صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے''

''لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ'' (۴) ''تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین ہے''

''فَمَنۡ شَآءَ فَلۡیُؤۡمِنۡ وَّمَنۡ شَآءَ فَلۡیَکۡفُرۡ''(۵) ''جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر اختیار کرے''

''قُلِ اللّٰهَ اَعۡبُدُ مُخۡلِصًا لَّهٗ دِیۡنِیۡo فَاعۡبُدُوۡا مَا شِئۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ''(۶)

''اے نبی ﷺ! ان سے کہہ دو: میں تو اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اسی کی بندگی کروں گا تم اسے چھوڑ کر جس جس کی بندگی کرنا چاہو کرتے رہو''

''اَفَاَنۡتَ تُکۡرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ''(۷)

''کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ وہ مؤمن بن جائیں؟

اسی طرح اسلام تمام ادیان کی عبادت گاہوں کو قابلِ احترام سمجھتا ہے اور ان کی حفاظت و مدافعت کی تعلیم دیتا ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَوۡ لَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ لَّهُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذۡکَرُ فِیۡهَا اسۡمُ اللّٰهِ کَثِیۡرًا(۸)

''اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے نہ ہٹاتا رہتا تو یقیناً راہبوں کی کوٹھڑیاں، گرجے، عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے گرادی جاتیں۔''

اسلام معاشرے میں روادارانہ فضا قائم کرنے کے لئے صرف دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کی حفاظت اور ان پر جبر نہ کرنے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے باطل عقائد کی بناء پر انہیں سب وشتم کرنے یا ان کے مذہبی راہنماؤں کے خلاف ناشائستہ زبان استعمال کرنے اور نفرت انگیز بات کہنے سے بھی روکتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

''وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدۡوًام بِغَیۡرِ عِلۡمٍ''(۹)

''یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں ان کو برا بھلا مت کہو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ حد سے

گزر کر جہالت کی بنا پر اللہ کو برا بھلا کہنے لگیں۔''

بسا اوقات عقیدے اور مسلک کے اختلاف کی بنا پر لوگوں کے ساتھ معاملات میں بے انصافی کی جاتی ہے اور انھیں حسنِ سلوک کا مستحق نہیں سمجھا جاتا اسلام اس وجہ سے کسی کے ساتھ معاملات میں بے انصافی کرنے اور نا روا سلوک رکھنے کو ناجائز ٹھہراتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَاَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى''(۱۰)

''اور کسی جماعت کی دشمنی تمہیں اس کے ساتھ بے انصافی کرنے پر آمادہ نہ کرے انصاف کرتے رہو (کیونکہ) وہ تقویٰ سے بہت قریب ہے۔''

رواداری سیرت طیبہ کی روشنی میں:

نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے قدیم انسانی سماج بنیادی طور پر غیر روادار تھا حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد ابتدائی تین صدیوں تک یہودی اور عیسائی صرف اعتقادی اختلاف کی بنیاد پر ایک دوسرے کے دشمن بنے رہے پہلے یہودیوں نے عیسائیوں کو اپنے ظلم کا نشانہ بنایا اس کے بعد جب عیسائی اقتدار میں آئے تو انھوں نے یہودیوں سے جارحانہ انداز میں اپنے انتقام کی آگ بجھائی۔(۱۱)

آنحضرت ﷺ کی بعثت کے ابتدائی دور میں جب فارس کی آتش پرست حکومت نے رومی علاقوں پر قبضہ کیا تھا تو قبضہ کرنے کے بعد انھوں نے مسیحیت کو مٹانے کے لئے شدید ترین مظالم شروع کئے مذہبی شعائر کی توہین کی گئی، گرجا گھر مسمار کر دیئے گئے تقریباً ایک لاکھ عیسائیوں کو بے گناہ قتل کر دیا گیا ہر جگہ آتش کدے تعمیر کئے گئے اور مسیحؑ کی بجائے آگ اور سورج کی جبری پرستش کو رواج دیا گیا۔مقدس صلیب کی اصلی لکڑی جس کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ اس پر مسیحؑ نے جان دی تھی وہ چھین کر مدائن پہنچا دی گئی اسی صورتحال میں جب ہرقل قیصر روم نے شہنشاہِ ایران خسرو پرویز کو صلح کی پیشکش کی تو خسرو نے جو جواب دیا تھا اس سے اس کی غیر روادارانہ سوچ کی عکاسی ہوتی ہے۔

''مجھے یہ نہیں بلکہ اپنے تخت کے نیچے زنجیروں میں بندھا ہوا خود ہرقل چاہیے، رومی حکمران سے میں اس وقت تک صلح نہیں کروں گا جب تک وہ صلیبی خدا کو چھوڑ کر ہمارے دیوتا سورج کی پرستش نہیں کرنے لگے گا۔''(۱۲)

لیکن اس کے مقابلے میں جب حضور اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ہمیشہ غیر مسلموں اور مخالفوں کے ساتھ برداشت اور رواداری کا برتاؤ رکھتے تھے آپ ﷺ نے کبھی بھی کسی

غیر مسلم کو اپنا عقیدہ چھوڑنے یا اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا اور نہ ہی عقیدے اور فکر کی بنیاد پر ان کے ساتھ ناروا سلوک کی اجازت دی اور نہ ہی مخالفوں پر اقتدار پانے کے بعد کوئی غیر روادارانہ سلوک کیا بلکہ اس حوالے سے آپ ﷺ نہایت ہی اعلیٰ ظرفی اور وُسعتِ قلبی کا مظاہرہ کرتے تھے جس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

ایک مرتبہ نجران سے عیسائی علماء ور ہنماؤں کا ساٹھ افراد پر مشتمل ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے انہیں مسجد نبوی میں ٹھہرایا ان کی مہمان نوازی کی ان پر دعوتِ اسلام پیش کی جس کو انھوں نے قبول نہ کیا کچھ دیر بعد ان کی عبادت کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے عیسائی عقیدے وطریقے کے مطابق عبادت کرنا چاہی صحابہ کرامؓ نے انھیں روکنا چاہا لیکن آپ ﷺ نے انہیں مسجدِ نبوی میں عبادت کرنے کی اجازت دے دی چنانچہ ان لوگوں نے مسجدِ نبوی میں مشرق کی طرف منہ کرکے اپنے طریقے کے مطابق نماز ادا کی۔(۱۳)

یمامہ کے سردار ثُمامہ بن اُثال جو نبی کریم ﷺ کے سخت مخالف اور مشرک تھے صحابہ کرامؓ نے اسے پکڑ کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا آپ ﷺ نے اسے مسجدِ نبوی کے ستون کے ساتھ باندھنے اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا نبی کریم ﷺ کو پتا چلا کہ وہ اکیلا ایک سے زائد آدمیوں کا کھانا کھاتا ہے تو آپ ﷺ نے اس کے پورے کھانے کا انتظام فرمایا اس کے بعد آپ ﷺ اس کے پاس آتے ہیں اور اس سے دریافت فرماتے ہیں کہ **ماعندک یاثمامة ؟** ثمامہ کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا: **یامحمد ا ن تقتلنی تقتل ذادم وان تنعم تنعم علی شاکروان کنت تریداالمال فسل منه ماشئت** ” اے محمد (ﷺ)! اگر تم مجھے قتل کروگے تو ایک خونی کو قتل کروگے (وہ خود بھی اپنے آپ کو قتل کا مستحق سمجھ رہا تھا) اور اگر احسان کروگے تو ایک شکر گزار پر احسان ہوگا اور اگر زرِ فدیہ چاہتے ہو تو تم مانگو میں دوں گا“ یہ جواب سن کر آپ ﷺ خاموش رہے، دوسرے دن بھی یہی تقریر ہوئی، تیسرے دن بھی جب اس نے یہی جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا **اطلقوا ثمامة** ,ثمامہ کو چھوڑ دو“ (لیکن وہ تین دنوں میں آپ ﷺ کی رواداری، حسنِ اخلاق، حسنِ سلوک اور فیاضی سے اتنا متأثر ہو چکے تھے) **فانطلق الی نخل قریب من المسجد فاغتسل ثم دخل المسجد فقال اشهد ان لا اله الاالله واشهدان محمدارسول الله**, پس (آزاد ہوتے ہی) مسجد کے قریبی کھجور کے باغ میں جاکر غسل کیا پھر مسجد میں آکر کہا میں ”گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں“ مزید اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آج سے پہلے دنیا میں کوئی شخص میری نظر میں آپ سے زیادہ ناپسندیدہ نہ تھا اور اب آپ سے زیادہ دنیا میں مجھے کوئی محبوب نہیں، آج سے پہلے کوئی مذہب آپ کے مذہب سے زیادہ میری آنکھوں میں برا نہ

تھا اور اب وہی سب سے زیادہ پیارا ہے، آج سے پہلے کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ ناپسند نہ تھا اور اب وہی سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔(۱۴)

اہلِ مکہ کے لئے غلہ یمامہ سے آتا تھا ثُمامہ بن اُثالؓ (جو وہاں کے سردار تھے) جب مسلمان ہوئے تو انھوں نے غلہ بھیجنا بند کر دیا اور کہا **واالله لایاتیکم من الیمامة حبة حنطة** "اللہ کی قسم تمہارے پاس یمامہ سے گندم کا ایک دانہ بھی نہیں آئے گا" اس پر قریشِ مکہ سخت پریشان ہوئے اور آپ ﷺ سے رشتے داری کا واسطہ دے کر درخواست کی کہ آپ وہاں کے سردار کو لکھیں کہ وہ غلہ جاری کرے۔ چونکہ حضور اکرم ﷺ کسی بھی محتاج اور ضرورت مند کی مدد کرنے کے بیچ میں عقیدے و مذہب کے اختلاف کو آڑے نہیں آنے دیتے تھے اس لیے آپ نے رواداری اور حسنِ سلوک کی بناء پر ثمامہؓ کو گندم بھیجنے کی ہدایت فرمادی۔(۱۵)

اسی طرح آپ ﷺ کی ہجرت کے بعد مکہ مکرمہ میں سخت قحط پڑا تو آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ کے غرباء ومساکین کی امداد کے لئے پانچ سو اشرفیاں بھیج دیں یہ نہیں سوچا کہ وہ کافر اور ہمارے دشمن ہیں ابوسفیان کو اگرچہ یہ بات ناگوار گزری اور کہا: "محمد ﷺ چاہتا ہے کہ ہمارے نوجوانوں کو ورغلائے، مگر ان حالات میں اسے یہ رقم رد کرنے کی بھی ہمت نہ ہوئی۔(۱۶)

یہودیوں کے جنازے مدینہ منورہ کی گلیوں سے گذرتے تو آپ ﷺ ان کے احترام میں کھڑے ہوجاتے تھے چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؓ سے روایت ہے کہ سہل بن حنیفؓ اور قیس بن سعدؓ نے کہا "ان **النبی ﷺ مرت به جنازة فقا م فقیل له انها جنازةیهودی فقال الیست نفسا**" کہ نبی کریم ﷺ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو آپ کھڑے ہوگئے آپ سے عرض کی گئی کہ یہ ایک یہودی کا جنازہ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا وہ انسان نہیں؟(۱۷) اس روایت سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آپ ﷺ صرف موت کو یاد کر کے کھڑے ہوگئے تھے بلکہ رسول اللہ ﷺ تو انسانیت کی تعظیم کیلئے کھڑے ہوئے تھے یہ بات ایک اور روایت سے واضح ہو جاتی ہے مثلا آپ ﷺ سے ابوجہل کی دشمنی سب پر روز روشن کی طرح عیاں ہے لیکن جامع ترمذی میں ہے **قال رسول الله ﷺ یوم جئته مرحبا بالراکب المهاجر** "اے ہجرت کرنے والے سوار خوش آمدید" ابوجہل جیسے دشمن کا خوش آمدید جیسے الفاظ سے استقبال کرنا واضح کرتا ہے کہ آپ ﷺ انسانیت کی تعظیم کرتے تھے۔ یہ روایت آپ کی سیرت طیبہ میں رواداری کی اعلیٰ مثال ہے۔(۱۸)

اسی طرح نبی اکرم ﷺ اختلافِ مذہب کی بناء پر معاشرتی تعلقات میں بھی کوئی کمی نہیں آنے دیتے تھے

چنانچہ مدینہ منورہ میں ایک یہودی کا بیٹا تھا جو آپ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا وہ بیمار ہوا تو آپ ﷺ اس کی عیادت کے لئے اس کے گھر تشریف لے گئے اسی موقع پر آپ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی **فنظر الیٰ ابیه وهو عنده فقال اطع ابا القاسم ﷺ فاسلم** ''تو اس نے اپنے باپ کی طرف (اسکی رضامندی معلوم کرنے کیلئے) دیکھا جو اس کے پاس موجود تھا اس نے کہا ابوالقاسم کی اطاعت کرو تو اس لڑکے نے اسلام قبول کرلیا۔''(۱۹)

آپ ﷺ نے مدینہ منورہ آمد کے موقع پر مسلمانوں اور یہودیوں کے مابین جو میثاق فرمایا تھا اس کی دفعات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسانی احترام، مساوات، ایک دوسرے کی خیرخواہی، بقائے باہمی اور رواداری کی اعلیٰ مثال ہے اس میں دیگر امور کے ساتھ ساتھ ہر فریق کو مذہبی آزادی اور اندرونی خودمختاری کا حق بھی دیا گیا تھا اور یہ طے پایا تھا کہ کسی بھی فریق کو دوسروں کی جان، مال، عزت اور مذہبی معاملات میں مداخلت کی اجازت نہیں ہوگی ہر فریق اپنے مذہب اور اندرونی معاملات میں آزاد اور خودمختار ہوگا، ریاست دشمنوں کو کوئی پناہ نہیں دے گا، مدینہ منورہ پر حملے کی صورت میں سارے فریق مل کر اس کا دفاع کریں گے، معاہدے کے کسی فریق پر کسی بیرونی دشمن نے حملہ کیا تو سارے مل کر اس کا دفاع کریں گے، معاہدے کا جو بھی فریق مظلوم ہوگا بلاتفریق اس کی مدد کی جائے گی، اور معاہدے کا ہر فریق دوسرے کا خیرخواہ رہے گا۔''(۲۰) اور اس حوالے سے مسلمانوں کو ہدایت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا'': یادرکھو! **من ظلم معا هدا او انتقصه او كلفه فوق طاقته او اخذ منه شيئا بغير طيب نفس فانا حجيجه يوم القيامة**,, جس نے مُعاہِد پر ظلم کیا، یہود کا نقصان کیا یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالا یا اس سے کوئی چیز زبردستی لی تو میں اس کے خلاف قیامت کے دن مقدمہ لڑوں گا۔''(۲۱) اور یہ بھی فرمایا کہ ''**من قتل معاهدالم يرح رائحة وان ريحها توجد من مسيرة اربعين عاما**,, جس نے کسی معاہد کو قتل کیا (جس کے تحفظ کا ذمہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ پر ہے) اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے اگرچہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے آتی ہے۔''(۲۲) ملکی سلامتی، امن وامان، مذہبی رواداری اور بقائے باہمی کے حوالے سے آپ ﷺ کا یہ معاہدہ اپنی مثال آپ ہے انسانی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔

''یہ وہ تحریری معاہدہ تھا جس کی بدولت آپ ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے ایک ایسا ضابطۂ انسانی معاشرہ میں قائم کیا جس سے معاہدہ کے شرکاء میں ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے اپنے عقیدہ و مذہب کی آزادی کا حق حاصل ہوا اور انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی یہودیوں کے ساتھ رواداری، آزادی اور ان کے حقوق کے تحفظ کی تاریخ ساز دستاویز اور اس کی دفعات اپنی حقیقت پر آپ گواہ ہیں مذہبی رواداری، امن وسلامتی، آزادی اور

انصاف کا ہر جوہر اس میں موجود ہے۔'' (۲۳)

آپ ﷺ نے اسلامی ریاست کے اندر غیر مسلموں سے جس رواداری اور فراخدلی کا مظاہرہ کیا تھا اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے انھیں شادی بیاہ، کھانے پینے اور مذہبی رسوم کی ادائیگی میں کوئی قدغن نہیں لگائی، اگر کوئی غیر مسلم چار سے زیادہ بیویاں رکھتا یا محرمات سے نکاح کرتا یا دو بہنوں کو نکاح میں رکھتا تو آپ ﷺ اس سے کوئی سروکار نہیں رکھتے تھے البتہ جب وہ اسلام قبول کرتا تو آپ ﷺ اسے اسلامی تعلیمات کا پابند بناتے چنانچہ نوفل بن معاویہؓ مسلمان ہوئے تو انکے پاس پانچ بیویاں تھیں۔ (۲۴) قیس بن حارث اسدیؓ مسلمان ہوئے تو انکی آٹھ بیویاں تھیں۔ (۲۵) غیلان بن اسلم ثقفیؓ مسلمان ہوئے تو انکے پاس دس بیویاں تھیں آپ ﷺ نے انہیں چار چار بیویاں رکھنے اور باقیوں کو چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ (۲۶) فیروز دیلمی مسلمان ہوئے تو انکے نکاح میں دو بہنیں تھیں آپ ﷺ نے اسے بھی ایک کو چھوڑنے کا حکم دیا۔ (۲۷) لوگ اپنے باپ کی دوسری بیوی (ماں کے علاوہ) سے شادی کرتے تھے آپ ﷺ نے غیر مسلموں پر کوئی پابندی نہیں لگائی جبکہ قرآن مجید نے مسلمانوں پر یہ نکاح حرام قرار دیا ہے۔ (۲۸) آپ ﷺ نے غیر مسلموں کے شراب پینے اور خنزیر کھانے کے بارے میں فرمایا: '' شراب ان کے لئے ایسے ہے جیسے ہمارے لئے سرکہ اور خنزیر ان کے لئے ایسے ہے جیسے ہمارے لئے بکری۔'' (۲۹) مطلب کہ نہ ان کے شراب پینے پر پابندی ہے نہ ہی اس کے بنانے اور کاروبار کرنے پر کوئی قدغن، اسی طرح ان کے لئے نہ خنزیر (یا اس طرح کے حرام جانور کے) کھانے پر پابندی اور نہ ہی اس کے پالنے اور فروخت کرنے پر کوئی روک ٹوک البتہ انہیں شراب اور خنزیر مسلمانوں کی بستی میں یا مسلمانوں کے ہاتھوں بیچنے پر پابندی تھی۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک انصاری صحابیؓ نے ایک یہودی کو اس بات پر تھپڑ رسید کیا کہ وہ نبی کریم ﷺ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فضیلت دے رہے تھا اس یہودی نے آپ ﷺ کی خدمت میں شکایت پیش کی آپ ﷺ نے انصاری صحابیؓ کو بلوا کر پوچھا **الطمت وجهه**؟ تو نے اسکے چہرے پر تھپڑ مارا ہے؟ اس نے اقرار کرلیا تو آپ ﷺ نے یہ ہدایت فرمائی کہ: '' دوسرے انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں مجھے افضل مت کہو کیونکہ قیامت کے دن جب لوگ ہوش میں آئیں گے تو سب سے پہلے ہوش میں آنے والا میں ہوں گا، **فاذاانا بموسٰی اٰخذبقائمة من قوام العرش فلا ادری افاق قبلی ام جوزی بصعقة الطور** '' اس وقت میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کے ایک ستون کو پکڑے کھڑے ہوں گے مجھے نہیں معلوم

کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئے یا کوہِ طور والی بے ہوشی کے بدلے اس دن وہ بے ہوش ہی نہیں ہوئے۔''(۳۰)

آپ ﷺ باوجود افضل الانبیاء واشرف الکائنات ہونے کے تواضع، انکساری، فراخدلی اور عظیم رواداری کا ثبوت دیتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضلیت کو کھلے دل سے بیان کرتے ہیں اور امت کو یہ سبق دیتے ہیں کہ فطری طور پر ہر شخص اپنے پیغمبر یا اپنے قائد سے محبت کرتا ہے اور یہ کوئی ایسا جرم نہیں جس کی وجہ سے اسے بے عزت کیا جائے۔

آپ ﷺ نے غیر مسلموں کے ساتھ جس رواداری کا برتاؤ کیا تھا اس کا ایک اور ثبوت نجران کے عیسائیوں کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ ہے نجران کے عیسائیوں کے لئے آپ ﷺ نے جو معاہدہ لکھوایا تھا اس کے الفاظ کچھ اس طرح تھے: ''نجران اور اس کے آس پاس کے عیسائیوں کو ان کی جان، مال اور مذہب کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ضمانت دی جاتی ہے یہ ضمانت جو موجود ہیں ان کے لئے بھی ہے اور جو آنے والے ہیں ان کے لئے بھی ہے نہ ان کے منصبی فرائض کی ادائیگی میں مزاحمت کی جائے گی اور نہ ان کے حقوق ومراعات میں کسی قسم کی تبدیلی کی جائے گی کوئی اُسقف (عیسائیوں کا بڑا مذہبی پیشوا) اپنے منصب سے برطرف نہ کیا جائے گا اور نہ کوئی راہب اپنے راہب خانے سے نکالا جائے گا اور نہ کوئی پادری اپنے عہدے سے علٰیحدہ کیا جائے گا یہ لوگ اپنی چھوٹی بڑی چیز سے اسی طرح فائدہ اٹھاتے رہیں گے جس طرح پہلے اٹھاتے رہے تھے کسی مجسمے یا صلیب کو توڑا نہ جائے گا نہ انھیں کسی پر ظلم کرنے کی اجازت ہوگی اور نہ ان پر کوئی ظلم کرے گا یہ ضمانت انھیں خدا اور اس کے رسول کی طرف سے قیامت تک کے لئے دی جاتی ہے بشرطیکہ وہ کسی ظلم کا ارتکاب نہ کریں۔''(۳۱)

آپ ﷺ کی رواداری صلح حدیبیہ کی اس شق سے بھی واضح ہے کہ **ان من جاء منکم لم نردہ علیکم ومن جاء منا ردتموہ علینا** تمہارے ساتھیوں میں سے جو شخص (پناہ کی غرض سے بھاگ کر) ہمارے پاس آئے گا تو ہم (قریش) وہ تمہیں واپس نہیں کریں گے اور ہمارے ساتھیوں میں سے جو شخص تمہارے پاس آئیگا تو تم (مسلمان) ہمیں وہ واپس کردو گے۔(۳۲)

رسول اللہ ﷺ نے جس فراخدلی کے ساتھ یہ شرط منظور کی (کہ قریش کے یہاں پناہ لینے والے کسی مسلمان کو واپس طلب نہ کریں گے) وہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کو اپنے سماج کی ثابت قدمی اور پختگی پر پورا اعتماد تھا اور آپ ﷺ مذہبی حوالے سے کتنے وسیع الظرف اور روادار تھے اور آپ ﷺ کے مقابلے میں اہلِ مکہ کی غیر رواداری بھی واضح ہے۔

مسلمانوں نے دوسری شقوں کی طرح اس شق پر بھی خدشے کا اظہار کیا لیکن آپ ﷺ کو اعتماد تھا کہ اس میں مسلمانوں کا کوئی نقصان نہیں کیونکہ یہ معلوم تھا کہ جب تک مسلمان مسلمان رہے گا اللہ، رسول اور مدینۃ الاسلام سے بھاگ نہیں سکتا اس کے بھاگنے کی صرف ایک صورت ہوسکتی تھی کہ وہ مرتد ہوجائے خواہ ظاہراً خواہ در پردہ اور ظاہر ہے کہ جب مرتد ہوجائے تو مسلمانوں کو اس کی ضرورت نہیں بلکہ اسلامی معاشرے میں اس کی موجودگی سے کہیں بہتر ہے کہ وہ الگ ہوجائے اور یہی وہ نکتہ ہے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا تھا: **انہ من ذھب منا الیھم فابعدہ اللہ**.(۳۳) "جو ہمیں چھوڑ کر ان مشرکین کی طرف بھاگے اسے اللہ نے ہم سے دور کردیا۔"

انسان کے ذخیرۂ اخلاق میں سب سے زیادہ کم نایاب اور نادرالوجود شئ دشمنوں پر رحم و کرم اور ان سے عفو و درگزر ہے لیکن پیغمبر اسلام ﷺ کی ذاتِ اقدس میں یہ چیز فراواں موجود تھی۔ اپنے دشمنوں سے انتقام لینا انسانی فطرت کا لازمی حصہ ہے لیکن یہی فطرت اور خصلت آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں معدوم نظر آتی ہے اپنے دشمنوں پر قابو پانے کے بعد ان سے روادارانہ برتاؤ کرنا کتابی بات سمجھا جاتا ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے موقعہ پر اس کا عملی مظاہرہ کس طرح کر کے دکھایا ملاحظہ فرمائیں۔

اہلِ مکہ کی طرف سے نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں پر ظلم و تعدی کسی سے مخفی نہیں لیکن رحمتِ عالم ﷺ جب سن آٹھ ہجری میں فاتحانہ انداز میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے ہیں تو سردارانِ قریش کو اپنے سامنے سرنگوں دیکھتے ہیں ان میں وہ حوصلہ مند بھی تھے جو اسلام کے مٹانے میں سب سے پیشرو تھے، وہ بھی تھے جن کی زبانیں رسول اللہ ﷺ پر گالیوں کے بادل برسایا کرتی تھیں، وہ بھی تھے جن کی تیغ سناں نے پیکر قدسی ﷺ کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں، وہ بھی تھے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے تھے، وہ بھی تھے جو وعظ کے وقت آنحضرت ﷺ کی ایڑیوں کو لہولہان کردیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جن کی تشنہ لبی خونِ نبوت کے سوا کسی چیز سے بجھ نہیں سکتی تھی، وہ بھی تھے جن کے حملوں کا سیلاب مدینہ کی دیواروں سے آکر ٹکراتا تھا، وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو جلتی ہوئی ریت پر لٹا کر ان کے سینوں پر آتشیں مہریں لگایا کرتے تھے ان میں وہ ہندہ (ابوسفیان کی زوجہ) بھی تھی جس نے آپ ﷺ کے عزیز چچا سیدالشھداء حضرت حمزہؓ کے نعش کی بے حرمتی کی تھی کہ اس کے ناک، کان، ہونٹ کاٹ کر ان کو اپنے گلے کا ہار بنایا تھا اور اس کا جگر نکال کر چبایا تھا ان میں قریشِ مکہ کے سردار ابوسفیان بھی تھے جو مسلمانوں کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے اپنی سرتوڑ کوششیں کررہے تھے...... رحمتِ عالم ﷺ نے ان کی طرف دیکھا

اورخوف انگیز لہجے میں پوچھا:''تم کو کچھ معلوم ہے میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟'' یہ لوگ اگرچہ ظالم،شقی اور بے رحم تھے لیکن مزاج شناس تھے،پکار اٹھے کہ:'' آپ شریف اور مہربان بھائی ہیں،شریف اور مہربان بھائی کے بیٹے ہیں(ہم آپ سے رحم وکرم اور رواداری کی امید رکھتے ہیں)'' آپ ﷺ نے عظیم اور بے مثال رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اعلان فرمایا:**فانی اقول کما قال اخی یوسف لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین** ''میں وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے کہا تھا کہ آج تم پر کچھ الزام نہیں اللہ تمہاری مغفرت فرمائے اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے(لھذا جاؤتم سب آزاد ہو)۔''(۳۴)

ان واضح دلائل سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ غیر مسلموں اور مخالفین کے ساتھ کتنے روادار تھے۔

رواداری خلفاء راشدینؓ کی سیرت کی روشنی میں:

خلفاء راشدین کے دور میں ذمیوں(غیر مسلم شہریوں) کے ساتھ وہی رواداری برتی جاتی تھی جو آنحضرت ﷺ کے دور میں ان کے ساتھ برتی جاتی تھی اور انہیں وہی حقوق ومراعات حاصل تھیں جو آپ ﷺ کے دور میں ان کو حاصل تھیں۔نصاریٰ نجران کے ساتھ جو آپ ﷺ نے معاہدہ کیا تھا حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ نے اپنے اپنے دور میں اس کی تجدید کی۔(۳۵)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کفار کے مذہبی معاملات کے تعلق سے جو معاہدہ لکھا اسکے یہ الفاظ ہیں:

لایھدم لھم بیعة ولا کنیسة ولا قصر من قصورھم التی کانوا یتحصون فیھا اذا انزل بھم عدولھم ولا یمنعون من ضرب النوا قیس ولا من اخراج الصلبان فی یوم عید ھم ''ان کے چرچ اور کنیسے نہیں گرائے جائیں گے اور انکی کوئی ایسی عمارت نہیں گرائی جائی گی جن میں وہ دشمن کے حملہ کے وقت پناہ لیتے ہیں ناقوس اور گھنٹیاں بجانے کی ممانعت نہیں ہوگی اور اپنے تہواروں کے دن صلیب نکالنے سے بھی نہیں روکا جائے گا۔''(۳۶)

حضرت عمرؓ وقتاً فوقتاً اپنے عمال کو ان کے معاہدوں کی تاکید لکھتے رہتے تھے مثلاً **کتب الی ابی عبیدة یامرہ ان یمنع المسلمین من ظلم احد من اھل الذمة**,,آپؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ(فاتحِ شام) کو لکھ کر انہیں حکم فرمایا کہ:مسلمانوں کو ذمیوں پر ظلم کرنے سے روکو(اور ان سے جو شرطیں کی گئی ہیں ان کو پورا کرو)۔''(۳۷)

حضرت عمرؓ اسلام کی اشاعت کی اگرچہ نہایت کوشش کرتے تھے اور منصبِ خلافت کے لحاظ سے یہ ان کا

فرض بھی تھا لیکن وہاں تک جہاں تک وعظ اور نصیحت کے ذریعے سے ممکن تھا ورنہ یہ خیال وہ ہمیشہ ظاہر کر دیا کرتے تھے کہ مذہب کے قبول کرنے پر کوئی شخص مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اُسق ان کا ایک عیسائی غلام تھا اس نے خود ہی بتایا کہ **کنت فی دینھم مملوکا نصرانیا لعمر بن الخطاب فکان یعرض علی الاسلام فابیٰ فقال لااکراہ فی الدین**" میں ان (مسلمانوں) کے دین میں عمر بن خطاب کا غلام تھا آپؓ مجھے اسلام کی ترغیب دیا کرتے تھے لیکن میں انکار کر دیتا تو آپ فرماتے: "دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔" (۳۸)

حضرت عمر فاروقؓ نے ایک نابینا بوڑھے یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا تو آپؓ نے پوچھا:

تم کیوں بھیک مانگ رہے ہو؟ اس نے کہا مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے اور میں ادا کرنے کی قوت نہیں رکھتا اور اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے بھیک مانگ رہا ہوں یہ سن کر **فاخذعمر بیدہ وذھب بہ الی منزلہ فرضح لہ بشئی من المنزل ثم ارسل الی خازن بیت المال فقال انظرھٰذا وضربائہ** " حضرت عمرؓ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے آئے اور کچھ نقد دے کر بیت المال کے خازن کی طرف بھیج کر اسکی اور اسکی حالت زار کی طرف غور کرنے کا حکم فرمایا (اور اس کا وظیفہ مقرر کرا دیا)" اور فرمایا: **فواللہ ما انصفناہ ان اکلناہ شیبتہ ثم نخذلہ عند الھرم**" اللہ کی قسم! یہ انصاف نہیں ہے کہ جن کی جوانی سے ہم فائدہ اٹھائیں انہیں بڑھاپے میں بے سہارا چھوڑ دیں اور اس کا جزیہ معاف کرا دیا۔" (۳۹)

حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروقؓ نے ملکی حقوق کے لحاظ سے ذمیوں اور مسلمانوں میں کوئی تمیز نہیں رکھی تھی اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کرتا تو اسے قصاص میں قتل کیا جاتا اگر کوئی مسلم کسی ذمی کا مالی نقصان کرتا تو اسے تاوان ادا کیا جاتا اگر کوئی مسلم کسی ذمی سے سخت کلامی کرتا تو پاداش کا مستحق ہوتا۔ (۴۰)

حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں مصر کے مسلمان گورنر (عمرو بن عاصؓ) کا لڑکا ایک قبطی کو اس بناء پر کوڑا مارتا ہے کہ گھوڑ دوڑ کے مقابلے میں قبطی نے گورنر کے بیٹے کو شکست دی تھی اور گورنر کے بیٹے نے قبطی کو کوڑا مارتے ہوئے کہا: **خذ ھذاانا ابن الاکرمین** "لو میں معزز صاحبزادہ ہوں" اس قبطی کو اسلام کے نئے (روادارانہ) انقلاب کی خبر تھی چنانچہ وہ مصر سے روانہ ہو کر مدینہ آیا اور خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ ان کے گورنر کے لڑکے نے ناحق اس کو کوڑے سے مارا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فوراً اپنے خاص آدمی کو مصر بھیجا کہ وہاں جاؤ اور عمرو بن عاصؓ اور انکے بیٹے کو جس حال میں ہوں اسی حال میں سواری پر بٹھا کر مدینہ لے آؤ دونوں مدینہ لائے جاتے ہیں خلیفۂ ثانی قبطی کو بلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا یہی شخص ہے جس نے تم کو کوڑے سے مارا تھا؟ قبطی نے کہا

ہاں آپؓ نے قبطی کو کوڑا دیا اور کہا کہ معزز صاحبزادے (ابن الاکرمین) کو مارو۔ قبطی نے مارنا شروع کیا اور اس وقت تک مارتا رہا جب تک اس کی پوری تسکین نہ ہوگئی اس کے بعد خلیفۂ ثانی قبطی سے کہتے ہیں کہ: ان کے والد عمروؓ بن عاص کو بھی مارو کیونکہ **فو الله ماضربک الا بفضل سلطانه** ''اللہ کی قسم انہی کی بڑائی کے بل بوتے انکے بیٹے نے تمہیں مارا تھا'' مگر قبطی نے کہا کہ نہیں جس نے مجھے مارا تھا اس کو میں نے مار لیا اس سے زیادہ کی مجھے حاجت نہیں جب یہ سب کچھ ہو چکا تو خلیفۂ ثانیؓ نے گورنرِ مصر عمرو بن عاص کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ: **یا عمرو متیٰ تعبدتم الناس و قد ولدتهم امهاتهم احرارا**: ''اے عمرو! تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنالیا ہے حالانکہ ان کی ماؤں نے انھیں آزاد جنم دیا تھا۔'' (۴۱)

حضرت عثمانؓ کے عہد میں میری (Mery) کے عیسائی بطریق نے فارس کے اُسقُف شمعون کے نام جو خط لکھا تھا اس کی عبارت یہ تھی: ''عرب جنھیں خدا نے دنیا کی حکومت عطا کی ہے دینِ عیسوی پر حملہ نہیں کرتے بلکہ ہمارے معاون ہوتے ہیں وہ ہمارے خدا اور ہمارے اولیاء کا احترام کرتے ہیں اور ہمارے گرجاؤں اور راہبوں اور راہب خانوں کو مالی عطیے دیتے ہیں کسی مسلمان چاہے وہ عام آدمی ہو، افسر ہو یا حکمران کو اجازت نہیں کہ کسی غیر مسلم شہری کی جائداد پر قبضہ کرے۔'' (۴۲)

حضرت علی المرتضیٰؓ بھی اپنے دورِ حکومت میں ذمیوں کے ساتھ بہت روادارانہ برتاؤ رکھتے تھے۔ اور ان کے حقوق کا بہت لحاظ رکھتے تھے اپنے عمال کو ان کے ساتھ نرمی اور حسنِ سلوک کی ہدایت فرماتے رہتے تھے ذمیوں نے ایک عامل عَمرو بن مَسلِمَہ کی سخت مزاجی کی شکایت کی تو آپؓ نے ان کو لکھا:

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمھارے علاقے کے ذمی دہقانوں کو تمھاری سخت مزاجی کی شکایت ہے اس میں کوئی بھلائی نہیں تمھیں سختی اور نرمی میں اعتدال سے کام لینا چاہیئے نہ سختی ظلم کی حد کو پہنچے اور نہ نرمی نقصان کی حد تک ہو ان پر جو مطالبہ ہو اسے وصول کیا کرو مگر اپنے دامن کو ان کے خون سے محفوظ رکھو۔'' (۴۳) اسلامی قانون کی نظر میں مسلم اور غیر مسلم شہری (ذمی) برابر کا درجہ رکھتے ہیں اس لیے آپؓ نے فرمایا: ''ان کا خون بھی ہمارے خون جیسا ہے۔'' (۴۴)

ایک اور عامل قُرظہ بن کَعب انصاریؓ کو لکھا: تمھارے علاقہ کے ذمیوں نے درخواست دی ہے کہ ان کی ایک نہر پٹ کر مِٹ گئی ہے جس کا بنانا مسلمانوں کا فرض ہے تم اسے دیکھ کر درست کروا کر آباد کر دو میری عمر کی قسم! مجھے اس کا آباد رہنا زیادہ پسند ہے بنسبت اس کے کہ وہ غیر آبادی کی وجہ سے ملک چھوڑ کر چلے جائیں یا عاجز و درماندہ

ہوکررہ جائیں یا ملک کی بھلائی میں حصہ لینے کے قابل نہ رہیں۔(۴۵)

عدل ومساوات کے حوالے سے آپؓ کے ایوانِ عدالت میں بلا امتیازِ مذہب وملت اپنے اور پرائے، امیر اور غریب سارے برابر تھے۔اگر خود کسی مقدمہ میں فریق ہوتے تو قاضی کے سامنے حاضر ہوتے اور نصابِ شہادت پورا نہ کرسکنے کی وجہ سے اگر اپنا دعوٰی ثابت نہ کر پاتے تو فیصلہ آپ کے خلاف سنایا جاتا اور آپ اسے بلا چوں و چرا تسلیم کر لیتے تھے۔''ایک مرتبہ آپؓ کی زرہ گر پڑی کسی شخص کو ملی تو اس نے ایک یہودی کے ہاتھ بیچ دی آپؓ نے اسے دیکھ کر پہچان لیا(اور اسے واپس کرنے کا مطالبہ کیا لیکن وہ نہیں مانا آپؓ اگر چاہتے تو بزورِ قوت اس سے لے سکتے تھے لیکن قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لیا بلکہ)اس کا مقدمہ قاضی شُرَیحؒ کی عدالت میں پیش کیا اور اس پر گواہی کیلئے اپنے بیٹے حسنؓ اور اپنے غلام قنبر کو پیش کیا **فقال شریح لعلی زدنی شاھدا مکان الحسن** تو قاضی شریح نے فرمایا(اپنے بیٹے)حسن کی جگہ اور گواہ پیش کرو **فقال اترد شھادۃ الحسن** امیرالمؤمنین نے پوچھا کہ کیا آپ (میرے بیٹے)حسنؓ کی گواہی رد کر رہے ہیں؟ قاضی شریح نے کہا رد نہیں کر رہا بلکہ میں نے آپ سے یہ بات یاد کی تھی کہ بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں قبول نہیں ہے(حضرت علی کے پاس حضرت حسنؓ کی جگہ اور گواہ نہ ہونے کی وجہ سے فیصلہ یہودی کے حق میں ہوگیا)اس فیصلے اور حضرت علیؓ کے رویے کا یہودی پر اتنا اثر پڑا کہ وہ مسلمان ہوگیا اور کہا کہ یہ تو انبیاء جیسا انصاف ہے کہ امیر المؤمنین مجھے اپنی عدالت کے قاضی کے سامنے پیش کرتے ہیں اور قاضی امیرالمؤمنین کے خلاف فیصلہ دے دیتا ہے اور امیر المؤمنین بخوشی اسے قبول کر لیتے ہیں۔''(۴۶)

اسلامی رواداری پر مسلم وغیر مسلم مفکرین کی آراء:

انسانی تاریخ میں بسا اوقات ہم ایسے تجربات سے گزرتے ہیں کہ لوگ ذاتی مخالفت اور شخصی رنجش و ناپسندیدگی کی بنا پر لوگوں کی جائز اہمیت اور فضیلت کا بھی انکار کر دیتے ہیں یا اس کا ذکر نہیں کرتے لیکن اسلام کا طرزِ عمل نہایت فراخدلانہ اور روادارانہ ہے چنانچہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ اسلام کی فراخدلانہ اور روادارانہ تعلیمات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:''یہودیوں کو اپنے ہم عصروں میں موحد قوم ہونے کی بنا پر ناز تھا اگر چہ باقی دنیا میں وہ ملعون تھے لیکن اسلام نے برملا ان کی فضیلت کا اعتراف کیا کہ ''وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ''(۴۷)''خدا نے تم کو سارے جہانوں پر فضیلت دی''،عیسائیوں کو اپنے بانیٔ مذہب کی بعض خصوصیتوں پر ناز تھا جس سے باقی ساری دنیا کو انکار تھا لیکن قرآن مجید نے اس کو بھی قبول کیا کہ: ''عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَآ اِلٰى

مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ'' (۴۸) ''عیسیٰ ابنِ مریم اللہ کے رسول، کلمۃ اللہ اور روح اللہ تھے'' لیکن ان دونوں کو بتایا کہ محض ''پدرم سلطان بود'' کافی نہیں عمل کے متعلق خدا کا حساب و کتاب فرداً فرداً ہر ایک انسان سے ہوگا۔ انبیاءِ بنی اسرائیل ہی نہیں ان سے قبل اور ان کے بعد کے بھی ''وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ'' (۴۹) ''کوئی امت ایسی نہیں ہے جس میں کوئی (خدا سے) ڈرانے والا نہ گزرا ہو'' کہہ کر دنیا کی ہر قوم کا دل موہ لیا آدم سے لے کر عیسیٰ علیہما السلام تک آنے والے رسولوں میں سے ایک دو در جن کا نام بھی لیا اور یہ بھی فرما دیا: ''وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَیْکَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَیْکَ'' (۵۰) ''کچھ ایسے رسول ہیں جن کا ذکر ہم پہلے ہی تم سے کر چکے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کا ذکر ہم نے تم سے نہیں کیا'' اسی طرح کسی کے لئے رنجش کی وجہ نہ رہی۔'' (۵۱)

سید امیر علی اپنی مشہور کتاب ''روحِ اسلام'' میں اسلامی رواداری پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اسلام کے سیاسی فلسفے کا جوہر حقوق کے اس منشور میں پایا جاتا ہے جو پیغمبرِ اسلام نے مدینہ آمد کے بعد (میثاقِ مدینہ کی صورت میں) یہودیوں کو عطا کیا اور ان قابلِ یادگار پیغاموں میں جو نجران اور اس کے نواح کے عیسائیوں کے نام اس وقت بھیجے گئے جب اسلام جزیرہ نمائے عرب پر اپنا تسلط قائم کر چکا تھا۔ مؤخر الذکر دستاویز تمام مسلم فرمانرواؤں کے لئے غیر مسلم رعایا کے ساتھ رواداری اور حسنِ سلوک کے بارے میں ایک ہدایت نامہ رہی ہے اور اگر کسی فرمانروا نے اس سے انحراف کیا تو اس کا سبب اس فرمانروا کی شخصی سیرت میں پایا جاتا ہے۔ اگر ہم اس سیاسی ضرورت سے قطع نظر کر لیں جس نے اکثر اپنے آپ کو مذہب کے لباس میں پیش کیا تو اسلام سے بڑھ کر کوئی مذہب دوسرے مذاہب کے پیروؤں سے رواداری نہیں برتتا۔ گاہے بگاہے ایسا ہوا ہے کہ ملکی مقتضیات نے کسی مسلم حکمران کو قدرے ناروا داری کا اظہار کرنے یا دین کے معاملے میں وحدت کا مطالبہ کرنے پر مجبور کیا ہے لیکن اسلامی نظام نے فی نفسہ ہمیشہ پوری پوری رواداری کو قائم رکھا ہے۔ (۵۲)

عیسائیوں اور یہودیوں سے اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے کے بارے میں کبھی مزاحمت نہیں کی گئی اور انھیں کبھی تبدیلیٔ مذہب پر مجبور نہیں کیا گیا۔ اگر ان سے جزیہ لیا جاتا تو وہ عسکری خدمت سے بریت کے معاوضے کے طور پر لیا جاتا تھا اور یہ ہے بھی ضروری۔ کیوں کہ جو لوگ مملکت کی امان سے مستفید ہوتے ہیں وہ مملکت کا مالی بار اٹھانے میں کسی حد تک شریک ہوں اور اسی طرح اسلامی قانون عملی طور پر بت پرستوں کے ساتھ بھی اسی طرح کی فیاضی برتتا ہے جس طرح اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کے ساتھ برتتے تھے۔ (۵۳)

یہ ایک قابلِ ملاحظہ امر ہے جس کی نظیر جدید تاریخ میں بھی نہیں ملتی کہ فتحِ مصر کے بعد حضرت عمرؓ نے

عیسائی کلیسا کے اوقاف کی حفاظت ایک امانت کے طور پر کی اور سابقہ حکومت کی طرف سے پادریوں کے لیے جو وظیفے مقرر تھے وہ جاری رکھے۔ خلیفہ مامون کے عہد میں مملکتِ اسلامیہ میں عیسائیوں کے گیارہ سو کلیساؤں کے علاوہ یہودیوں کے سینکڑوں گرجا گھر اور زردشتیوں کے بے شمار آتش کدے تھے اس روشن خیال حکمران نے جسے عیسائیوں کا دشمنِ جانی کہا گیا اپنی مجلسِ شوریٰ میں اپنی تمام محکوم جماعتوں کے نمائندے شامل کئے تھے۔ مسلمان، یہودی، عیسائی، زردشتی، صابی اور اس نے عیسوی کلیسا کے منصب داروں کے تمام حقوق و مراعات کا مکمل احتیاط کے ساتھ تحفظ کیا۔ (۵۴)

مسلمانوں کے روادارانہ سلوک کی تائید اس امر سے بھی ملتی ہے کہ ذمی اکثر مسلمانوں کے وصی (اہل وعیال وجائداد کے نگران) مقرر ہوتے تھے اور اسلامی جامعات اور تعلیمی اداروں کے شیخ اور مسلمانوں کے اوقاف کے مہتمم بنائے جاتے تھے۔ صرف ایک شرط پر کہ انھیں کوئی مذہبی فرائض نہ سونپے جائیں۔ جب کبھی قابلِ وقعت اور ممتاز غیر مسلم شہری وفات پاتا تو مسلمان گروہ در گرواس کی میت میں شریک ہوتے تھے۔ پہلی صدی ہجری ہی سے عیسائی، یہودی اور مجوسی اہم سرکاری عہدوں پر فائز دکھائی دیتے ہیں۔ عباسی خلفاء، باستثناء معدودے چند، مذہب کی بناء پر اپنے محکوموں میں کوئی امتیاز نہ کرتے تھے اور ان کے بعد جو خاندان برسرِ اقتدار آئے انھوں نے دیانتداری سے ان کی مثال کی تقلید کی۔

دہلی کے مغل شہنشاہوں کی حکومت میں ہندو فوجوں کے کمانڈر، صوبوں کے حاکم اور شہنشاہ کی مجلس شوریٰ کے رکن بنتے تھے۔ اسلام کا واحد مقصد یہ تھا کہ خدا کی توحید اور نبوتِ محمدی پر ایمان کی حد کے اندر انسانی ضمیر کو پوری آزادی حاصل ہو۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ جس سرزمین میں بھی اسلام کے مبلغ ومجاہد نے قدم رکھا پامال عوام نے اسے آزادی اور غلامی سے نجات کا نقیب سمجھ کر اس کا خیر مقدم کیا۔ اسلام ان کے لئے قانونی مساوات، رواداری، اور بااصول ٹیکسوں کی نوید لے کر آیا۔'' (۵۵)

علامہ وحیدالدین خان اقوامِ متحدہ کے چارٹر اور اسلام کے روادارانہ انقلاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اقوامِ متحدہ نے ۱۹۴۸ء میں وہ چارٹر منظور کیا جس کو یونیورسل ڈیکلریشن آف ہیومن رائٹس کہا جاتا ہے۔ اس کے آرٹیکل ۱۸ میں یہ کہا گیا ہے کہ ''ہر آدمی خیال، ضمیر اور مذہب کی آزادی کا حق رکھتا ہے۔ اس حق میں یہ بھی شامل ہے کہ آدمی اپنے مذہب کو تبدیل کر سکے اور اپنے مذہب کا خفیہ یا اعلانیہ اظہار کر سکے یا دوسروں کو اس کی تعلیم دے''۔ اقوام متحدہ کا یہ چارٹر بھی حقیقتاً اقوامِ متحدہ کا کارنامہ نہیں بلکہ وہ بھی اسی اسلامی انقلاب کی ایک دَین ہے جو اقوامِ متحدہ سے ایک ہزار سال سے بھی زیادہ پہلے ظہور میں آیا تھا۔ اسلام نے تاریخ میں پہلی بار شرک کے نظام کو ختم کیا جس نے انسان اور انسان کے درمیان فرق وامتیاز کا ذہن پیدا کر رکھا تھا۔ اسی غیر حقیقی تقسیم کا نتیجہ اونچ نیچ کا

وہ سماج تھا جو تمام قدیم زمانوں میں مسلسل پایا جاتا رہا ہے۔ اسلام نے ایک طرف اس معاملہ میں انسانی ذہن کو بدلا ،دوسری طرف اس نے وسیع پیمانہ پر عملی انقلاب برپا کر کے انسانی آزادی اور انسانی احترام کا ایک نیا دور شروع کیا۔ یہ دور تاریخ میں مسلسل سفر کرتا رہا یہاں تک کہ وہ یورپ میں داخل ہو گیا اور بڑھتے بڑھتے آخر کار آزادی اور جمہوریت کے جدید انقلاب کا سبب بنا۔ جدید یورپ کا جمہوری انقلاب اسی اسلامی انقلاب کا سیکولر ایڈیشن ہے جو بہت پہلے ساتویں صدی عیسوی میں عرب میں برپا ہوا تھا۔''(۵۶)

مغربی دانشور ڈی گوبینیو (DE GOBINEAU) اسلامی رواداری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اگر ہم مذہبی اصول سے سیاسی ضروریات کو الگ کر دیں جنہوں نے مذہب کے نام پر زبان اور ہاتھ سے کام لیا ہے تو کوئی مذہب اسلام کی مثل روادار اور صلحِ کل نہیں ملے گا۔ جس نے دوسروں کو اس قدر مذہبی آزادی دی ہو۔ بلکہ ان کے دین وایمان سے مطلق کوئی سروکار نہ رکھا ہو۔ سوائے ایسی صورتوں کے کہ مسلمان سلطنتوں نے ملکی مصلحت کے خیال سے مذہبی اتحاد کے لئے ہر طریقہ اختیار کیا ہو۔ رواداری مسلمانوں کی طبیعت کا ایک محکم خاصہ اور مکمل آزادی ان کے مذہب کا دستور العمل رہا ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنی توجہ جور وتعدی کے واقعات تک محدود نہیں رکھنی چاہیے جو کہیں کہیں پیش آئے۔''(۵۷)

پروفیسر آرنلڈ نے مسلم دورِ حکومت میں فکر وخیال کی آزادی کی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ:

''رومی سلطنت کے وہ صوبے جن کو مسلمانوں نے تیز رفتاری کے ساتھ فتح کیا تھا انھوں نے اچانک اپنے آپ کو ایسی رواداری کے ماحول میں پایا جو کئی صدیوں سے ان کے لئے نامعلوم بنی ہوئی تھی اس قسم کی رواداری ساتویں صدی کی تاریخ میں کس قدر حیرتناک تھی۔(۵۸)

رواداری کا دائرہ کار وفوائد:

رواداری کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دوسرے مذاہب یا مسالک کے لوگوں کو خوش کرنے کے لئے اپنے دین کے احکام پر عمل کرنا چھوڑ دیا جائے یا ان میں تبدیلی لائی جائے، کیونکہ یہ رواداری نہیں بلکہ اسلام کی اصطلاح میں اسے مداہنت یا منافقت کہا جاتا ہے۔ جس طرح دوسرے مذاہب والوں کو حق حاصل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنی مذہبی تعلیمات پر عمل کریں اور ان کی تبلیغ کریں، اسی طرح مسلمانوں کو بھی حق ہے بلکہ ان پر فرض ہے کہ وہ اپنی دینی تعلیمات پر عمل کریں۔ اور جس طرح مسلمانوں پر لازم ہے کہ دوسروں کے عقائد، عبادت گاہوں ومذہبی پیشواؤں کا احترام کریں اسی طرح دوسرے مذاہب والوں پر بھی ضروری ہے کہ وہ اسلامی عقائد ومساجد اور مسلمانوں کے پیشواؤ

ں کا احترام رکھیں جیسا کہ آپ ﷺ کے میثاقِ مدینہ سے ظاہر ہے۔خاص طور پر ایسا ملک جہاں مختلف مذاہب و مسالک کے لوگ آباد ہوں رواداری کی معاشرتی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ایسے ملک میں امن وامان کی فضا تب قائم ہوسکتی ہے اور ایسا ملک مادی و روحانی ترقی تب کرسکتا ہے جب وہاں کے باشندوں کا ایک دوسرے کے ساتھ روادارانہ رویہ ہو۔

نبی کریم ﷺ چونکہ قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے پیغمبر بن کر آئے تھے اور وہ سمجھتے تھے کہ انسانیت کی اجتماعی فلاح و بہبود باہمی رواداری وحسنِ سلوک سے ہی ممکن ہے اس لئے آپ ﷺ نے اپنی لافانی تعلیمات میں رواداری وحسنِ سلوک پر بہت زور دیا۔

خلاصہ:

مذہبی رواداری ایک دوسرے کے مذہب ومسلک کے احترام کا نام ہے اسلام رواداری کا دین ہے بلکہ صحیح معنوں میں رواداری کا بانی ہے، جو ہر شخص کو عقیدے،فکر اور مذہب کی آزادی دیتا ہے اور کسی کو بھی دوسروں کے مذہبی معاملات میں دخل اندازی کی اجازت نہیں دیتا اسی طرح اسلام مذہب ومسلک کے اختلاف کی بناء پر کسی کو بھی ملکی حقوق سے محروم رکھنے یا اس کے ساتھ ناروا سلوک برتنے کی اجازت نہیں دیتا۔نبی کریم ﷺ اور خلفاء راشدین نے غیر مسلموں کے ساتھ رواداری کی بہترین مثالیں چھوڑی ہیں سیرت طیبہ اور خلفاء راشدینؓ کے اسوہ حسنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک کے تمام باشندے مذہبی آزادی،معاشی اور معاشرتی حقوق میں برابر ہیں سماجی انصاف سب کے لئے یکساں ہے۔آج کی اس عالمی گاؤں(Global Village) کی طرح دنیا میں بین الاقوامی امن وامان،سلامتی واستحکام اور بقائے باہمی کے نقطۂ نظر سے روادارانہ رویے کے فروغ کی اشد ضرورت ہے مذکورہ حقائق کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام ہی رواداری کا بانی اور علمبردار ہے۔

سفارشات:

درج بالا مضمون کی روشنی میں چند سفارشات پیشِ خدمت ہیں:

☆ امن عام کرنے کے لیے حکومت اس اہم موضوع پر مختلف سکولز،کالجز،یونیورسٹیز اور مدارس میں کانفرنسز کرائے۔

☆ حکومت ہر کلاس کے بچے کے لیے رواداری سے متعلق ایک جاندار سبق شاملِ نصاب کرے۔

☆ حکومت مختلف مسالک و مذاہب کے علماء کو ایک میز پر بٹھا کر اس موضوع پر مکالمات اور مذاکرات کرائے۔

☆ علماء وخطباء وقتاً فوقتاً جمعہ کے خطبہ میں رواداری کے موضوع پر گفتگو کر کے عوام میں اسکی اہمیت اجاگر کریں۔

☆ پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا پوری دنیا میں اس اہم موضوع کی بھرپور نشر واشاعت کرے۔

حوالہ جات

۱۔ السقاف علوی بن عبدالقادر، موسوعۃ الدرر السنیۃ، موسوعۃ الاخلاق، تحت مادہ ''مداراۃ'' بحوالہ http://www.dorar.net/enc/akhlaq/1320

۲۔ ایضًا

۳۔ البقرہ:۲۵۶

۴۔ الکافرون:۶

۵۔ الکھف:۲۹

۶۔ الزمر:۱۴۔۱۵

۷۔ یونس:۹۹

۸۔ الحج:۴۰

۹۔ الانعام:۱۰۸

۱۰۔ المائدۃ:۸

۱۱۔ مولانا وحیدالدین خان، اسلام دورِ جدید کا خالق، فضلی سنز اردو بازار کراچی، ۱۹۹۰، طبع اول، ص۱۰۴۔۱۰۵

۱۲۔ وحیدالدین خان، علمِ جدید کا چیلنج ص۲۰۴

۱۳۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۸۵ طبع اول، ج۲، ص۳۴

۱۴۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی، ج۲، ص۲۲۰۔۲۲۱، مسلم بن الحجاج، الصحیح المسلم، دارالجیل بیروت، ج۵، ص۱۵۸، حدیث نمبر ۴۶۸۸، ابنِ ہشام محمد عبدالملک، سیرت ابن ہشام، مترجم مولانا قطب الدین احمد محمودی، اسلامی کتب خانہ لاہور، کتاب المغازی، ج ۳، ص ۲۵۳، حدیث ۴۳۷۲، ص۷۴۱، ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، دار الریان للتراث، القاھرہ، ۱۹۸۷، طبع ۲، ج۷، ص۶۸۹۔۶۹۰

۱۵۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی ج۲، ص۲۲۱، ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ج۷، ص۶۹۰، ابن ہشام سیرت النبی، جلد۳، ص۲۵۳، ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل، الجامع الصحیح البخاری، کتاب المغازی، حدیث ۴۳۷۲، ص۷۴۱

۱۶۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، رسولِ اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، دارالاشاعت کراچی، ۱۹۸۷، طبع ۷، ص ۱۰۴

۱۷۔ امام بخاری، الجامع الصحیح البخاری، حدیث ۱۳۱۲

۱۸۔ امام ترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، ج ۵، ص ۷۸

۱۹۔ امام بخاری، الجامع الصحیح، حدیث ۵۶۵۷، امام ابوداؤد، سنن ابی داؤد مکتبہ دارالسلام ریاض ۱۹۹۹، طبع اولی، حدیث ۳۰۹۵

۲۰۔ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۱۶ سے ۱۲۳ کا خلاصہ

۲۱۔ امام ابوداؤد، سنن ابی داؤد، حدیث ۳۰۵۲

۲۲۔ امام بخاری، الجامع الصحیح، حدیث ۳۱۶۶، ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، حدیث ۲۶۸۷

۲۳۔ حافظ محمد طاہر محمود اشرفی، رواداری سیرتِ طیبہ کی روشنی میں، عمر پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۴۴

۲۴۔ الخطیب محمد بن عبداللہ، مشکواۃ المصابیح، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱۳۶۸ھ، ص ۲۷۴

۲۵۔ امام ابوداؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، حدیث ۲۲۴۱

۲۶۔ امام ترمذی، جامع الترمذی، کتاب النکاح، حدیث ۱۱۲۸، امام ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، حدیث ۱۹۵۳

۲۷۔ امام ترمذی، جامع ترمذی حدیث، ۱۱۲۹

۲۸۔ النساء: ۲۲

۲۹۔ شیخ زادہ عبدالرحمٰن بن محمد بن سلیمان الکلیبولی، مجمع الانھر فی شرح ملتقی الابحر، بیروت دارالکتب العربیہ، ۱۹۹۸ء، ج ۴، ص ۱۱۱

۳۰۔ امام بخاری، الجامع الصحیح، حدیث ۶۹۱۷

۳۱۔ ابو یوسف، کتاب الخراج، دارالمعرفہ بیروت، لبنان ص ۷۲۔۷۳، سید امیر علی، روحِ اسلام، مترجم، محمد ھادی حسین، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۴۲۴۔۴۲۵

۳۲۔ امام مسلم، الجامع الصحیح، ج ۵، ص ۱۷۴، حدیث نمبر ۴۷۳۲، صفی الرحمٰن مبارکپوری، الرحیق المختوم، ص ۴۶۶، البدایہ والنہایہ ۴/۲۰۰، ابن ہشام، سیرۃ النبی، ج ۳، ص ۱۰۵، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۱۰۸

۳۳۔ ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیری، صحیح مسلم مع شرح النواوی، باب صلح حدیبیہ، ج ۵، ص ۴۷۷

۳۴۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی، ج ۱، ص ۳۰۰، ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب، السنن الکبریٰ، ج ۶، ص ۳۸۲

۳۵۔ ایضاً

۳۶۔ ابو یوسف، کتاب الخراج، ج ۱، ص ۱۵۷، ندوی شاہ معین الدین احمد، تاریخ اسلام، سبحان پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، طبع اول، ج ۱، ص ۱۳۰

۳۷۔ ایضاً،ص۱۷۹

۳۸۔ ابن کثیر ابو الفداء اسمٰعیل،تفسیر القرآن العظیم، بیروت، دارالخیر۱۹۹۰ء،طبع اول، ج ۱،ص۳۳۳،شبلی نعمانی، الفاروق،ص۲۸۵

۳۹۔ ابو یوسف، کتاب الخراج ص۱۲۶،شبلی نعمانی،الفاروق،ص۲۸۷

۴۰۔ ندوی شاہ معین الدین احمد،تاریخ اسلام، ج۱،ص۱۷۹

۴۱۔ علاءالدین علی بن حسام الدین، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، ج۱۲،ص۶۶۰،رقم الحدیث۳۶۰۱۰

۴۲۔ سید امیر علی، روح اسلام،ص۴۲۶

۴۳۔ ندوی، تاریخ اسلام، ج۱،ص۲۷۴

۴۴۔ سید امیر علی، روح اسلام،ص۴۲۶

۴۵۔ ایضاً

۴۶۔ علاءالدین، کنز العمال، ج۷ص،۲۵،رقم الحدیث۱۷۷۹۰

۴۷۔ الاعراف:۱۴۰

۴۸۔ النساء:۱۷۱

۴۹۔ فاطر:۲۴

۵۰۔ النساء:۱۶۴

۵۱۔ محمد حمید اللہ ڈاکٹر،رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی،ص۱۷۔۱۸

۵۲۔ سید امیر علی، روح اسلام،ص۴۲۳

۵۳۔ ایضاً

۵۴۔ ایضاً،ص۴۲۶

۵۵۔ ایضاً،ص۴۲۸

۵۶۔ وحید الدین خان،اسلام دور جدید کا خالق،ص۱۱۱

۵۷۔ بحوالہ، حافظ طاہر محمود اشرفی، رواداری سیرتِ طیبہ کی روشنی میں،ص۳۸

۵۸۔ وحید الدین خان،اسلام دور جدید کا خالق،ص۱۰۹